تبصرے

مرزا شوق لکھنوی از پروفیسر خواجہ احمد فاروقی - دہلی یونیورسٹی تقطیع خورد ضخامت ۸۸ صفحات کتابت، طباعت، کاغذ نفیس قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کے پتے :- (۱) مکتبہ برہان، اردو بازار - جامع مسجد - دہلی ۶ (۲) محمد اسلم ۵. عماد الملک روڈ یونیورسٹی (ہسٹی) علی گڑھ (۳) علمی کتاب خانہ اردو بازار - دہلی ۶

نواب مرزا شوق لکھنوی، اردو کے ان بدنام شاعروں میں سے ہیں جن کی کتابیں ایک عرصہ تک ممنوع الاشاعت رہیں اور ان کو پڑھنا معیوب سمجھا گیا لیکن عجیب لطیفہ ہے کہ اس "رندِ خراباتی" کے خلاف تعصبات کو دور کرنے میں جس نے پہل کی وہ اردو کا نامور نقاد اور صاحب طرز ادیب حالی تھا، جس کے "زاہد مناجاتی" ہونے میں شبہ نہیں۔ مقدمہ شعر و شاعری کے یہ الفاظ دہرانے کے لائق ہیں۔

> "نواب مرزا شوق نے جو . . . مثنویاں . . . لکھی ہیں ان کو میں روزمرہ اور محاورہ کی صفائی، قافیوں کی نشست، ترکیبوں کی چستی اور مصرعوں کی برجستگی کے لحاظ سے تمام اردو کی موجودہ مثنویوں سے بہتر سمجھتا ہوں"

اس کے بعد مولانا عبدالماجد دریا آبادی مدیر صدق نے سہیل مرحوم میں ایک معرکۃ الآرا مضمون اردو کے ایک بدنام شاعر" کے عنوان سے لکھا اور ساری اردو دنیا کو شوق کی طرف متوجہ کر دیا، یہ بھی دراصل حالی کے قلم کی آواز بازگشت تھی جو عبدالماجد جیسے نقاد اور سنجیدہ ادیب ملا کے دلیل راہ بنی۔

لیکن یہ کوششیں مختصر مضامین اور اشارات تک محدود تھیں مرزا شوق کی اہمیت اس

کی سفارش تھی کسان کے نتائج فکر پر ایک علیحدہ اور مستقل کتاب لکھی جاتی جس سے ان کے کمالات کا اندازہ ہوتا اور جدید تنقید کا بھی پورا حق ادا ہو جاتا خصوصاً ان کی مثنوی بہارِ عشق کہ اس کی ذیلی ابھی تک کسی صاحب فدوق ... قلم ادیبکے شایانۂ تنقید کی منت پذیر تھیں ہمیں خوشی ہے کہ خواجہ احمد فاروقی صاحب ایم۔اے جیسے شگفتہ مزاج صاحب قلم نے ادھر توجہ کی، موصوف نے اس کی کوشش کی ہے کہ مرزا شوق کی مثنویوں کو ان کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ جانچیں اور ان کی صحیح قدر و قیمت متعین کریں۔

مرزا شوق کی مثنویاں زہر عشق اور بہار عشق، جان عالم واجد علی شاہ کے اس لکھنؤ سے متعلق ہیں جب بقول پروفیسر فاروقی - فیض نسیم اور جلوۂ گل کی کمی نہیں تھی - ہر منظر، جنت نگاہ اور ہر گوشہ ب ادامانِ باغباں بنا ہوا تھا۔ جہاں نظارۂ جمال بھی تھا اور شوقِ وصال بھی، جام بلور بھی تھا اور زہرۂ صبح بھی۔ صراحیِ مے ناب بھی تھی۔ اور سفینۂ غزل بھی۔ لوگ ماضی و مستقبل کو حال کی بدمستیوں اور رنگینیوں میں بھلا چکے تھے اور دست افشانی اور پاکوبی کا مفہوم صرف یہ رہ گیا تھا کہ -

بیا تا یک امشب تماشا کنیم چو فردا شود، فکرِ فردا کنیم

فاروقی صاحب نے جا بجا اس بات پر زور دیا ہے کہ ان مثنویوں کو انیسویں صدی کے اس طول سے جب کہ زندگی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کا سارا رس نچوڑ لیا گیا تھا الگ کر کے دیکھنا تاریخ اور تنقید دونوں کا خون کرنا ہے"

لیکن فاضل نقاد کی نظر صرف واجد علی شاہی لٹریچر کی منفی رنگینیوں میں الجھ کر نہیں رہ گئی ہے انھوں نے اس کے مثبت پہلوؤں پر بھی نظر ڈالی ہے۔

فاروقی صاحب نے مرزا شوق کی کردار نگاری، زبان و بیان اور آرٹ سے بھی مفصل بحث کی ہے اور مقام مسرت ہے کہ انھوں نے اس بات بنا کر اس کی پرستش نہیں کی بلکہ جہاں کمزور پہلو نظر آئے ہیں ان پر بے جھجک نکتہ چینی کی ہے۔

شوق کی زبان ایسی پاکیزہ ہے کہ دنیائے اردو اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

یہ کمال معمولی نہیں ہے کہ اس نے اس میٹھی بول چال کے راگ اس وقت چھیڑے جب ناسخ کا طوطی بول رہا تھا۔ اور اہل دربار سے لے کر عوام تک سب اسی کی تقلید کو فخر سمجھتے تھے۔ شوق کی بالغ نظری کی داد دینی چاہئے کہ آج زبان کا کارواں اسی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مؤلف کی زبان جرأت وجلال اور حسن وجمال کا آمیزہ ہے اور ان کی رائے میں بڑی حد تک توازن واعتدال ہے۔

سچ تو یہ ہے فاروقی صاحب کا ادب لطیف کے عطر میں مہکا ہوا یہ شاہکار دیکھ کر اب سے چھتیس۳۶ سینتیس۳۷ سال پہلے کے عہدِ طفولیت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم گیا اور زمانۂ شباب کے دھندلے دھندلے سائے امنڈتے نظر آنے لگے، یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا شوق کی مثنوی زہر عشق کا گھر گھر چرچا تھا اس کی اشاعت ممنوع قرار دی جا چکی تھی اور زندہ دل یا یوں کہہ لیجئے کہ دھڑ آفریں ادب کے دلدادہ اسے پوشیدہ خرید کر پڑھتے اور سر دُھنتے تھے،

ہمارے فارسی کے باکمال استاذ مولانا محمد لسیین صاحب مرحوم خدمتِ درس کے ساتھ کتابوں کا کاروبار بھی کرتے تھے یہ کاروبار اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے بے حد دلچسپ تھا، موصوف کی عادت یہ تھی کہ ہر جمعرات کو ایسے لڑکوں کو اپنے قریب نصف دائرے کی شکل میں بٹھایا کرتے تھے جن کو کتابیں پڑھنے اور خریدنے کا شوق ہو خوش قسمتی سے میرا شمار بھی ایسے ہی طلباء میں تھا ہم سب ساتھی بے پناہ ادبی کتابیں خریدتے اور ایک ایک ناول بار بار پڑھتے تھے، شرر، راشد الخیری، پریم چند اور اس وقت کے تقریباً تمام مشہور ناول نویسوں کی کتابیں مطالعے میں رہتی تھیں موصوف کے پاس زہر عشق کا بھی خفیہ ذخیرہ رہتا تھا چنانچہ ہم نے یہ دل دوز مثنوی سب سے پہلے اپنے استاذ ہی سے خریدی اور اس کے بہت سے متفرق حصے حفظ یاد کر لیے، ۳۶ سال کے بعد زیر نظر کتاب سامنے آئی تو اس کے جستہ جستہ ٹکڑے بے ساختہ یاد آ گئے۔

بنابریں واقعی مؤلف کا مجھے شخصی طور پر بھی رہینِ احسان ہونا چاہئے کہ ان کے رعایت میں ڈوبے ہوئے ادب پاروں کے دیکھنے سے ایک ایسے زمانہ کی یاد تازہ ہو گئی جسے دنیا کی اوقات